© rasailojaraid.com

علمائے ہند کا سیاسی موقف

(۴)

(سعید احمد اکبرآبادی ایم۔اے)

تحریک شیخ الہند کا زمانہ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۴ء تک کا زمانہ ہندوستان میں ایک بڑی بے چینی اور شدید اضطراب و شورش کا زمانہ ہے ۱۹۰۵ء میں صوبہ بنگال کی تقسیم نے اس میں اور اس کے ملحقہ صوبوں میں نوجوانوں کی ایک دہشت پسند پارٹی پیدا کردی تھی جو تشدد کے ذریعہ ملک کو آزاد کرنا چاہتی تھی چنانچہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۸ء کو مظفرپور[1] کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر کنگسفورڈ پر بم پھینکا گیا جو اگرچہ اُن کے نہیں لگا مگر دو یورپین خواتین مس کینڈی اور مسز کینیڈی اُس سے ہلاک ہوگئیں اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان دہشت پسند نوجوانوں کی سرگرمیاں پس پردہ (Underground) نہیں تھیں "جگنتر" نامی ایک ہفتہ وار بنگالی اخبار نکلتا تھا جو صاف لفظوں میں دہشت انگیزی اور تشدد کی حمایت کرتا تھا اور بم کس طرح پر بنائے جاتے ہیں۔ اس کا فارمولا کھلم کھلا بتایا جاتا تھا۔ اس تشدد پسند تحریک نے اتنا زور پکڑا کہ سینکڑوں بنگالی نوجوانوں نے اپنی زندگیاں قربان کردیں نہایت شدید قسم کی سزائیں برداشت کیں انہیں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جنھوں نے اپنے ملک کو ہی خیرباد کہہ دیا۔ مثلاً شیام جی کرشن ورما۔ مس کما۔ ایس۔ آر

[1] ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ نے غالباً سبقت قلم سے مظفرپور کے بجائے مظفرنگر لکھدیا ہے جو صوبہ یو۔پی کا ایک ضلع ہے۔
(امرت بازار پتریکا آزادی نمبر صـ ۱۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رانا ۔ ساورکر برادرز ۔ چنچو بادھیا ۔ راش بہاری بوس وغیرہم ۔ ان لوگوں نے باہر کے ملکوں میں پھیل کر ہندوستان کی قومی تحریک کا پرچار کیا اس کے علاوہ اس بات کی سازش کی گئی تھی کہ کناڈا سے گولہ بارود ہندوستان لایا جائے اور اس مقصد کے لئے ایک اسٹیمر لے بھی لیا گیا تھا لیکن اسے کناڈا کے ساحل پر اُترنے کی اجازت نہ مل سکی اور مجبوراً واپس آنا پڑا ۔ انھیں نوجوانوں میں سے کئی ایک سکھوں کو بج بج کے مقام پر گولی سے اُڑا دیا گیا ۔

ایک طرف بنگال ۔ بہار ۔ اڑیسہ اور آسام میں انقلاب پسند پارٹی کی سرگرمیوں کا یہ عالم تھا اور دوسری جانب پنجاب میں نو آبادیات کے بل نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا ۔ لالہ لاجپت رائے یہاں کے لیڈر تھے اس لئے ان کو جلاوطن کیا گیا اور راولپنڈی اور پنجاب کے دوسرے شہروں کے بڑے بڑے معززاور اونچے طبقہ کے لوگوں پر بغاوت کے مقدمات چلائے گئے ۔ یہ شورش پھر بھی کم نہ ہوئی تو ایک ہنگامی قانون نافذ کیا گیا جس کی رو سے جلسوں اور جلوسوں کو ممنوع قرار دیا گیا ۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۱۱ء کو لارڈ ہارڈنگ پر جبکہ وہ ہاتھی پر بیٹھے ہوئے دہلی کے چاندنی چوک سے گذر رہے تھے ۔ جو بم پھینکا گیا تھا وہ بھی ملک کے اسی اضطراب اور بے چینی کا ایک مظاہرہ تھا[1]

تشدد پسندی اور دہشت انگیزی کی اس تحریک کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اخلاقی اعتبار سے بلند پایہ لوگوں کی ایک اور جماعت تھی جو تعمیری پروگرام کے ذریعہ ملک کو اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتی تھی جس میں وہ ناگہانی طور پر گرفتار ہو گیا تھا اس جماعت کے سرخیل آرسبندو گھوش ۔ ڈاکٹر گرو داس بنرجی اور بابو بپن چندر پال تھے ۔

[1] مولانا محمد میاں نے "علمائے حق حصہ اول ص ۱۱۷" میں ۱۹۱۰ء لکھا ہے یہ صحیح نہیں ۔ کیونکہ یہ واقعہ تقسیم بنگال کی منسوخی کے سلسلہ میں پیش آیا تھا اور یہ اعلان ۱۹۱۱ء میں ہوا تھا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے تعمیری پروگرام کے عناصر اربعہ یہ چیزیں تھیں (۱) سودیشی کو رواج دیا جائے (۲) بدیشی مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔ (۳) تعلیم کو قومی ضرورتوں کے مطابق بنایا جائے (۴) اور سوراج حاصل کیا جائے

سوراج کی تعریف ابراھام لنکن کے لفظوں میں یہ تھی کہ "ملک کے باشندوں کی وہ سلطنت جو لوگ باشندوں کے ذریعہ سے کریں اور باشندوں کے لئے کریں"

کانگرس اس زمانہ میں ملک کی ترقی پسند جماعت ضرور تھی لیکن تاریخ کانگرس کے مصنف اور کانگرس کے حالیہ صدر منتخب ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ کے بقول وہ اب تک اعتدال پسند لوگوں کے ہاتھوں میں تھی اور اس بنا پر ملک کے پُرجوش طبقہ میں عام طور پر اُس سے بیزاری پائی جاتی تھی چنانچہ ۱۹۰۷ء میں جب ناگپور میں کانگرس کا اجلاس ہونا طے پایا تو اس درجہ گڑبڑ مچی کہ مجلس استقبالیہ تک کا جلسہ نہ ہو سکا پھر سورت میں اجلاس ہونا قرار پایا جس کے لئے تھوڑی سی ہی مدت میں بڑی بڑی تیاریاں کی گئی تھیں لیکن ابھی مشکل سے خطبۂ صدارت شروع ہی ہوا تھا کہ ہنگامہ برپا ہو گیا اور جلسہ ملتوی کر دینا پڑا۔

ملک میں عام بے چینی اور اضطراب کو دیکھ کر انگریزوں نے جہاں ایک طرف حد سے زیادہ سختیاں کیں لوگوں کو بڑی بڑی سزائیں دیں۔ ہنگامی قوانین نافذ کئے اور اپنی قوت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ سر چنتامنی ایسا لبرل اور ٹھنڈے مزاج کا اخبار نویس بھی اس کی شکایت ان لفظوں میں کرتا ہے:-

"گورنمنٹ نے شکایتیں دور کرنے کے بجائے سختی سے کام لینا اور اس کے ذریعہ سے شورش کو دبانا چاہا اور یہی ہر غیر ذمہ دار گورنمنٹ کا مذموم طرز طریقہ رہا ہے اس بات کو ہم تا زیست نہیں بھول سکتے۔ اس لئے کہ اُس وقت سے اِس وقت تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے۔"

(سیاسیات ہند مابعد غدر ص ۷۵)

طاقت و قوت کے غیر معمولی مظاہرہ کے علاوہ حکومت نے اپنا وہ سب سے زیادہ موثر اور کارگر حربہ بھی استعمال کیا جس کو وہ اس ملک میں اپنے لئے سب سے بڑی پناہ گاہ سمجھتی تھی۔ یعنی مشرقی بنگال میں فرقہ وارانہ فساد کرا دیا۔ یہاں تک کیا کہ ایک سیشن جج نے گواہوں کو دو طبقوں ہندو اور مسلمانوں میں تقسیم کر کے مسلمانوں کی گواہی کو صرف اس بنا پر ترجیح دی کہ وہ مسلمان تھے۔ علاوہ بریں ایک مقام پر بعض لوگوں سے اس بات کی منادی کرادی کہ گورنمنٹ نے ہندوؤں کو لوٹ لینے کی اجازت دے دی ہے۔ ایک دوسری جگہ جیسا کہ ایک مجسٹریٹ کے بیان سے ظاہر ہے یہ کہا گیا کہ گورنمنٹ نے مسلمانوں کو ہندو بیوہ عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دے دی۔"

(سیاسیات ہند مابعد غدر ص ۶۷)

"لیکن انگریزوں کی اس چال کا اس وقت کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور ملک میں حکومت وقت کے خلاف جو بیزاری پھیلی ہوئی تھی اور جس میں ہندو مسلمان سب ہی یکساں طور پر حصہ دار تھے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ پنجاب کے لفٹننٹ گورنر سر ڈنزل ابٹسن کے بقول "لوگ ہر جگہ کسی تبدیلی کا انتظار کر رہے تھے اُن کے دماغوں میں نئی ہوا بھری ہوئی تھی اور وہ حکومت کے خلاف ایک عام تحریک کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھے۔"

بہر حال جلاوطنیوں، قید و بند اور ایک عام سیاسی بے چینی و اضطراب کا یہ دور تھا جس میں کہ شیخ الہند نے اپنی تحریک شروع کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریک کے دو رخ | اس تحریک کے دو رخ تھے ایک بیرون ہند انگریزوں کے خلاف پروپیگنڈا اور مختلف ملکوں میں اپنے سفیر اور ایلچی بھیجکر بیرونی طاقتوں سے امداد لینا۔ آپ ابھی پڑھ آئے ہیں کہ یہ وہی کام تھا جس کو عام ہندوستان اور خصوصاً بنگال کی ایک انقلاب پسند پارٹی انجام دے رہی تھی اور اس تحریک کا دوسرا رخ تھا یہاں کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنا اور ان کو باہر سے پیدا ہونے والے انقلاب کی مدد کرنے کے لئے تیار کرنا۔ اس سلسلہ میں عوام سے ربط اور مسلمان ارباب فکر دانش سے تعلق پیدا کرنا اور ان کو باہم ہم آہنگ بنانا ضروری تھا اس مقصد کے لئے ۱۹۱۰ئ میں دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ایک نہایت عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس میں ملک کے گوشہ گوشہ سے مسلمان جوق در جوق شریک ہوئے۔ پھر اس جلسہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ دیوبند اور علیگڈھ میں جو دوری چلی آرہی تھی وہ دور ہو گئی۔ علیگڈھ کی طرف سے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مرحوم نے بڑے شوق و ذوق سے جلسہ میں شرکت کی۔ اس کی تمام کارروائیوں میں دلچسپی لی اور اپنی تقریر میں یہ تجویز پیش کی کہ ہر سال دیوبند کے فارغ التحصیل طلبا کی ایک خاص تعداد علیگڈھ آکر انگریزی اور علوم جدیدہ کی تعلیم حاصل کرے اور اسی طرح علیگڈھ کے گریجویٹ طالب علم دیوبند آکر عربی اور علوم دینیہ کی تحصیل کریں اس جلسہ نے تمام ملک میں دارالعلوم دیوبند کی عظمت اور اس کے کام کی اہمیت و ضرورت کا ایک عام اعتراف پیدا کر دیا اور اس طرح جو جماعت کہ ۱۸۵۷ئ کے بعد سے اب تک اپنے ایک خاص دائرہ میں خاموشی کے ساتھ کام کر رہی تھی وہ پبلک میں روشناس ہو گئی اور ہر صوبہ اور ہر گوشہ کے مسلمانوں کی نگاہوں کا مرکز بن گئی۔ اس کے بعد جمعیۃ الانصار نامی ایک انجمن جس کا مقصد عوام سے ربط (Mass contact) پیدا کرنا تھا اس کا اجلاس ۱۹۱۱ئ میں مراد آباد میں ہوا۔ اور لوگوں نے اس میں بھی بڑے شوق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے شرکت کی۔

علاوہ بریں خواص سے رابطہ قایم کرنے اور ان کو وحدتِ فکر کے ایک رشتہ میں منسلک کرنے کی غرض سے ایک انجمن نظارۃ المعارف کے نام سے قایم کی گئی، ہندوستان کے مشہور انقلابی لیڈر مولانا عبیداللہ سندھی اپنے استاذ حضرت شیخ الہند کے حکم اور ان کے زیر ہدایت و نگرانی ان دونوں انجمنوں کے اصل روح رواں اور بڑے سرگرم کارکن تھے۔ اس انجمن کا مقصد کیا تھا؟ اور کس طرح اس میں قدیم و جدید دونوں قسم کے نمایاں اور ممتاز تعلیم یافتہ حضرات ایک دوسرے کے ساتھ گٹھ بیٹھ گئے تھے؟ اس کا اندازہ مولانا سندھی کے مندرجہ ذیل بیان سے ہوگا۔ فرماتے ہیں

"حضرت شیخ الہند کے حکم سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا ۱۳۳۱ھ میں نظارۃ المعارف قایم ہوئی۔ اس کی سرپرستی میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم محمد اجمل خاں صاحب اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح پر شریک تھے۔ حضرت شیخ الہند نے جس طرح چار سال دیوبند میں رہ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا تھا۔ اسی طرح دہلی بھیجکر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے اس غرض کے لئے دہلی تشریف لائے اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری سے میرا تعارف کرایا اور ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی مرحوم سے ملایا۔ اس طرح مسلمانانِ ہند کی اعلیٰ سیاسی طاقت سے واقف رہا۔" (خطباتِ مولانا سندھی ص ۶۷)

مولانا نے اس بیان میں جو نام گنائے ہیں ان میں سے ڈاکٹر انصاری مرحوم تو (جو کانگریس کے صدر اور تحریک آزادی کے ایک نامور جنرل تھے) باقاعدہ حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ الہند کے نہایت جاں نثار وفداکار مرید تھے ان کی بیوی بھی حضرت شیخ سے بیعت تھیں اور اسی تعلق کا یہ اثر ہے کہ حضرت شیخ کے گھرانا اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کے خاندان میں اب تک وہ ہی محبت وخلوص اور احترام وعقیدت کے تعلقات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے علاوہ مولانا محمد علی اور شوکت علی اگرچہ باقاعدہ بیعت نہ تھے۔ لیکن مثل مرید کے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر شیخ الہند کی وفات کے وقت محمد علی جس طرح بچوں کی طرح بلک بلک کر رد ئے ہیں اور دیوانہ وار جنازے کے ساتھ ساتھ یہ کہتے ہوئے گئے ہیں کہ "آج ہماری کمر ٹوٹ گئی" آج بھی بہت سے لوگوں کے دلوں میں اس زہرہ گداز منظر کی یاد تازہ ہو گی مولانا ابوالکلام آزاد اس زمانہ میں سب میں کم عمر تھے اسی بنا پر ان میں اور شیخ الہند میں وہی تعلق تھا جو استاد شاگردمیں یا باپ بیٹے میں ہوتا ہے۔ چنانچہ لارڈ مسٹن گورنر یوپی کے دارالعلوم دیوبند میں آنے کے دن مولانا آزاد دیوبند میں ہی تھے۔ حضرت شیخ الہند نے اس اجتماع میں شرکت نہیں فرمائی تھی جو گورنر صاحب کے اعزاز میں مدرسہ کے اندر ہوا تھا۔ اور مولانا آزاد کو بھی اس میں باریابی کی اجازت نہ تھی۔ اس بناپر شیخ الہند دن بھر مولانا آزاد کو لئے ہوئے اپنے مکان پر بیٹھے رہے۔

مذکورۂ بالا حضرات اور دارالعلوم دیوبند کے توسل سے حضرت شیخ الہند کے خاص خاص شاگردوں کے علاوہ ہندوستان کے اور مقتدر اصحاب بھی تھے جو شیخ الہند کی سیاسی تحریک سے وابستہ تھے ان میں سب سے نمایاں نام خان عبدالغفار خاں کا ہے، خان صاحب اپنی پرائیویٹ مجلسوں میں حضرت شیخ سے اپنے تعلق اور ان کے معتمد علیہ ہونے کا ذکر بڑے مزے سے کرتے ہیں اور تین چار سال ہوئے جبکہ انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں تقریر کی تھی اس میں علانیہ طور پر اس کا اعتراف بھی کیا تھا۔ علماء کی اس جماعت سے تعلق رکھنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ہی یہ اثر ہے کہ وہ ایک طرف سیاسی اعتبار سے صوبہ سرحد کے گاندھی ہیں اور دوسری جانب نماز روزہ اور قرآن مجید کی تلاوت کے بڑے پابند ہیں۔

حضرت شیخ الہند کی یہ سرگرمیاں تو وہ تھیں جو منظرِ عام پر تھیں۔ ان کے علاوہ آپ کی جو خفیہ سرگرمیاں تھیں ان کا ایک جز یہ بھی تھا کہ آپ ایسے لوگوں کی جماعت تیار کر رہے تھے جو ہندوستان میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے وقت آنے پر اپنی جان کی بازی بھی لگا سکیں اور اس مقصد کے لئے آپ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، ڈابھیل ضلع سورت کے ایک بزرگ جو وہاں کے بڑے عالم سمجھے جاتے ہیں انھوں نے خود ایک مرتبہ ذکر کیا تھا کہ آپ سے بیعت کرنے والوں میں سے ایک میں بھی تھا، مولانا سید محمد میاں نے بھی علمائے حق حصہ اوّل میں اس کا ذکر کیا ہے اور دہلی کی مشہور تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک کتاب کے حوالہ سے بتایا ہے کہ انھوں نے بھی بیعت کی تھی۔

پھر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ چونکہ اس تحریک کا مقصد ملک کو غیر ملکی حکومت سے نجات دلا کر یہاں ایک جمہوری حکومت قائم کرنا تھا اس بنا پر یہ تحریک صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند نے راجہ مہندر پرتاب اور اُن کی پارٹی سے بھی رابطہ پیدا کیا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں مولانا سندھی نے افغانستان پہونچ کر کانگرس کی شاخ قائم کی اور ہندؤوں اور سکھوں کو بھی ساتھ ملا کر کام کیا!

غرض یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان میں ایک جمہوری حکومت قائم کرنے کی غرض سے ایک عوامی انقلاب برپا کرنے کے لئے جو مختلف پارٹیاں کام کر رہی تھیں۔ حضرت شیخ الہند کی پارٹی ان سب میں پیش پیش تھی۔ اور اس پارٹی میں انگریزی تعلیم یافتہ علماء ہندو اور مسلمان سب یکساں شریک تھے۔ ہمارا یہ دعویٰ اس پارٹی کے ساتھ محض خوش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعتقادی یا اس کی بالا خوانی پر موقوف نہیں ہے بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف صاف لفظوں میں ملک کے محبوب لیڈر اور سابق صدر کانگرس ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں :۔

"اگست ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ لوگوں میں جوش اور اشتعال پیدا ہوگیا تھا اور بعض لوگوں نے جن میں مسلمان پیش پیش تھے۔ بہت جرأت آموز تجویزیں آزاد ہندوستانی جمہوریت کے قیام کے لئے بنائیں۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن ۔ اور ان کے ساتھی مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عزیز گل گرفتار کر مالٹا بھیج دیئے گئے۔ مولانا محمد علی ۔ مولانا شوکت علی ۔ مولانا آزاد ۔ اور مولانا حسرت موہانی سب اس لئے نظر بند کر دئے گئے کہ ان کی ہمدردیاں ترکی کے ساتھ تھیں اور ترک انگریزوں کے خلاف جنگ میں جرمنوں کے ساتھ شریک ہوگئے تھے ان مولاناؤں کی خطا یہ بھی تھی کہ وہ علی الاعلان متحدہ قومیت کا راگ الاپا کرتے تھے"۔

(ہندوستان کا مستقبل اردو ترجمہ ص ۲۳۵)

شیخ الہند کا سفر حجاز اب رہا اس تحریک کا دوسرا رخ یعنی بیرون ہند اس تحریک کا پروپگنڈہ کرنا تو اس سلسلہ میں پہلے مولانا عبید اللہ سندھی کو کابل بھیجا گیا اور پھر خود حضرت شیخ الہند جنگ عظیم اول کے پہلے سال میں حجاز کے لئے روانہ ہوگئے اس سفر میں بہت سے حضرات آپ کے ساتھ ہوگئے تھے ان میں مولانا محمد میاں منصور انصاری (مولانا حامد الانصاری غازی ایڈیٹر مدینہ کے والد ماجد) مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے بھتیجے مولوی وحید احمد اور مولانا عزیز گل خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔ ۲۸ ر ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ کی شام کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حجاز میں حضرت شیخ کی سرگرمیاں[1] | اس زمانہ میں مکہ کے گورنر غالب پاشا تھے۔ حضرت شیخ الہند نے ان سے ملاقات کی اور اپنی تجویز پیش فرما کر امداد کا مطالبہ کیا۔ غالب پاشا پہلے سے آپ سے متعارف تھے۔ انھوں نے آپ کو چند خطوط دیئے۔ جن میں سے ایک خط مدینہ کے گورنر بصری پاشا کے نام تھا اور اس میں لکھا تھا کہ حضرت شیخ الہند کو انور پاشا اور جمال پاشا سے ملا دیا جائے۔ اس کے علاوہ استنبول وغیرہ کے حکام اور دیگر ارکان حکومت کے نام بھی غالب پاشا نے خطوط لکھ کر حضرت شیخ کو دیئے تھے۔ شیخ الہند ان خطوط کو لے کر مدینہ طیبہ پہنچے، بصری پاشا کو ان کے نام کا خط دیا۔ حسن اتفاق سے انھیں دنوں میں کسی جنگی ضرورت سے انور پاشا اور جمال پاشا دونوں مدینہ طیبہ آگئے۔ شیخ الہند نے دونوں سے ملاقات کی اپنی اسکیم اُن کے سامنے پیش کی اور بتایا کہ وہ کس طرح اس کے کامیاب کرنے میں ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ انور پاشا نے یہ اسکیم سُن کر اس کو پسند کیا۔ اپنی ہمدردی ظاہر کی، امداد کا وعدہ فرمایا۔ اور چند دستیقے تحریر فرما کر آپ کے سپرد کئے جن کا تعلق قبائل آزاد اور افغانستان سے تھا۔ انور پاشا کی رائے تھی کہ شیخ الہند خود بنفس نفیس آزاد قبائل میں پہونچیں اور وہاں اپنا کام شروع کریں حضرت شیخ نے بحری راستہ سے سفر کرنے کے بجائے خشکی کے راستہ سے سفر کرنا چاہا لیکن چونکہ ایران میں انگریزی فوجیں پڑی ہوئی تھیں گرفتاری کا ڈر تھا۔ اس لیئے انور پاشا کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ براہ بغداد بحری سفر کر کے بلوچستان اور وہاں سے آزاد قبائل میں پہنچیں یہ واقعات پڑھتے وقت اپنے ذہن میں یہ بھی رکھئے کہ حضرت کی پیدائش ۱۲۶۸ھ کی ہے اس حساب سے آپ کی عمر اس وقت ستر کے لگ بھگ تھی۔ لیکن حوصلہ۔ ولولہ

---

[1] اس عنوان کے ماتحت جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اگرچہ اپنے اساتذہ سے اور دوسرے اصحاب سے میں نے بارہا سنا ہے۔ لیکن اس کو علمائے حق حصہ اول سے ماخوذ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے علاوہ میرے علم میں ان واقعات کا کوئی اور تحریری سرمایہ موجود نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ایک مقصد عظیم کے لئے بے چینی و بے تابی کا یہ عالم ہے کہ ضعیف العمری کے مقتضیات کی کوئی پرواہ نہیں اور اس قدر مشکل اور پر از صعوبت سفر اور کام کے منصوبے بن رہے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی طے ہوا کہ کسی طرح انور پاشا کے لکھے ہوئے وثیقے خود شیخ الہند کے پہنچنے سے قبل قبائلِ آزاد میں پہونچا دیئے جائیں اس مقصد کے لئے مولوی ہادی حسن صاحب کو منتخب کیا گیا[1]۔ اور وثیقوں کو محفوظ کرنے کی صورت یہ کی گئی کہ ایک صندوق کی دیوار کے تختوں میں سوراخ کرکے وثیقہ اس کے اندر رکھ کر تختہ کو دونوں طرف سے ہموار کر دیا گیا۔

مولوی ہادی حسن صاحب بمبئی پہنچے۔ انگریزی جاسوسوں نے پہلے سے حکومت کو اطلاع کردی تھی۔ بمبئی کے ساحل پر بڑی سختی کے ساتھ مولوی صاحب کے سامان اور کپڑوں کی تلاشی لی گئی۔ مگر کوئی چیز نہ ملی۔ مولوی صاحب نے مکان پہنچکر وثیقہ صندوق کے کواڑوں سے نکال کر اپنی نبڈی (واسکوٹ) میں رکھ لیا۔ پولیس کو پھر وثیقہ کی نسبت کن بھن پہنچی تو مولوی صاحب کے جائے قیام پر چھاپا مارا تمام بکسوں کی تلاشی لی۔ کپڑے جو اُن میں رکھے ہوئے تھے انھیں اُلٹ پلٹ کرکے اور جھاڑ پٹک کر دیکھا۔ پھر اس پر بھی پتہ نہ چلا تو بکسوں کو توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔ حسن اتفاق سے یہ نبڈی اس وقت سامنے کواڑ پر ہی ٹنگ رہی تھی اس کی طرف اُن کا ذہن منتقل ہی نہ ہو سکا آخر مایوس و ناکام لوٹ گئے۔ اور وثیقہ کو جہاں جانا تھا وہاں پہنچا دیا گیا۔

شیخ الہند کی اسارت وثیقہ روانہ کرنے کے بعد حضرت شیخ الہند نے خود اپنے سفر کا ارادہ کیا۔ تجویز یہ تھی کہ غالب پاشا گورنر مکہ سے مل کر استنبول جانے کی راہ پیدا کریں۔ چنانچہ آپ مکہ معظمہ

[1] مولوی ہادی حسن صاحب خاں جہانپور ضلع مظفر نگر کے رؤسا میں سے ہیں نہایت مخلص۔ مومن قانت اور راست باز بزرگ ہیں۔ جب کبھی اپنی اس سفارت اور اس سلسلہ کے پیش آمدہ واقعات سناتے ہیں تو فرط جوش سے آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ کثر اللہ امثالہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علماء واپس ہو کر استنبول جانے کی تیاری شروع کر دی لیکن نیرنگیٔ روزگار سے یہاں یہ ہوا کہ شریف حسین نے انگریزوں سے ساز باز کر کے یک بیک ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی اور اس بغاوت کے باعث عالم اسلام میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً مسلمانوں میں عربوں کی طرف سے بیزاری اور بد دلی پیدا ہوئی تو انگریزوں نے ایک استفتاء مرتب کرایا اور جو علماء شریف حسین کے زیر اثر تھے ان سے اس کا جواب لکھوایا جس میں کھلے لفظوں میں ترکوں کی تکفیر کی گئی تھی۔ سلاطین آل عثمان کی خلافت سے انکار کیا گیا تھا۔ اور شریف حسین کی بغاوت حق بجانب اور مستحسن قرار دی گئی تھی۔ یہ استفتاء اور جواب حضرت شیخ الہند کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا اور آپ پر زور ڈالا گیا کہ اس پر اپنی تصدیق ثبت کر دیں۔ لیکن آپ نے صاف لفظوں میں بڑی سختی کے ساتھ اس پر دستخط کرنے سے انکار فرمایا۔ انگریز پہلے سے یہ جانتے ہی تھے۔ اب انھوں نے شریف حسین پر زور ڈالکر آپ کو مع آپ کے رفقاء کے گرفتار کر لیا اور جہاز پر بٹھا کر مالٹا میں لے جا کر نظر بند کر دیا۔ افسوس! ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال:-

جدہ سے مالٹا پہنچے اور وہاں نظر بند ہوئے تک درمیان میں جو واقعات پیش آئے ان میں سے بہت سے واقعات سبق آموز بھی ہیں۔ اور ولولہ انگیز بھی۔ عبرت انگیز بھی ہیں۔ اور حیرت خیز بھی۔ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے سفرنامۂ اسیر مالٹا میں ان کو بہ تفصیل لکھا ہے چونکہ ہمارے موضوع گفتگو سے اس کا تعلق نہیں ہے اس بنا پر ان کا تذکرہ ہمارے لئے غیر ضروری ہے البتہ اسیران مالٹا کے جرائم کی تحقیق و تفتیش کے سلسلہ میں بمقام جزیرہ (مصر) حضرت شیخ الہند میں اور تین انگریز فوجی افسروں میں جن کے پاس تحریک شیخ الہند سے متعلق تمام اطلاعات اور معلومات ہندوستان کی برطانوی گورنمنٹ کی بھیجی ہوئی موجود تھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو سوالات و جوابات ہوئے۔ ہم ذیل میں اُن کو سفرنامہ اسیر مالٹا سے نقل کرتے ہیں ایک ذہین قاری ان کو پڑھکر پورے طور پر اندازہ کرسکتا ہے کہ شیخ الہند کیا تھے؟ ستر برس کی عمر میں بھی اُن کی حوصلہ مندی اور عالی ہمتی کا کیا عالم تھا پھر اس سوال و جواب میں آپ کو بعض ایسی چیزیں بھی ملیں گی جو ایک سچے مسلمان انقلابی کو دوسرے قسم کے انقلابیوں سے ممتاز کردیتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

س۔ "آپ کو شریف نے کیوں گرفتار کیا"؟ ج۔ "اس کے محضر پر دستخط نہ کرنے کی بنا پر"

س۔ "آپ نے دستخط کیوں نہ کئے"؟ ج۔ "خلاف شریعت تھا"

س۔ "آپ کے سامنے مولوی عبدالحق حقانی کا فتوے ہندوستان میں پیش کیا گیا"؟ ج۔ "ہاں"

س۔ "پھر آپ نے کیا کیا"؟ ج۔ "رد کردیا" س۔ "کیوں"؟ ج۔ "خلاف شرع تھا"

س۔ "آپ مولوی عبیداللہ کو جانتے ہیں"؟ ج۔ "ہاں۔ انھوں نے دیوبند میں عرصہ دراز تک مجھ سے پڑھا ہے" س۔ "وہ اب کہاں ہیں"؟ ج۔ "میں کچھ نہیں کہہ سکتا، میں ڈیڑھ سال سے زیادہ ہوتا ہے کہ حجاز وغیرہ میں ہوں" س۔ "ریشمی خط کی حقیقت کیا ہے"؟ ج۔ "مجھے کچھ علم نہیں نہ میں نے دیکھا ہے" س۔ "وہ لکھتا ہے کہ آپ اس کی سیاسی سازش میں خلاف برطانیہ شریک ہیں اور آپ فوجی کمانڈر ہیں"؟ ج۔ "اگر وہ لکھتا ہے تو اپنے لکھنے کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ بھلا میں اور فوجی کمانڈر" میری جسمانی حالت ملاحظہ فرمایئے۔ اور پھر عمر کا اندازہ کیجئے۔ میں نے تمام عمر مدرسی میں گذاری۔ مجھ کو فنونِ جنگ اور فوجی کمان سے کیا تعلق؟"

س۔ "مولوی عبیداللہ سندھی نے دیوبند میں جمعیۃ الانصار کیوں قایم کی تھی"؟ ج۔ "مدرسہ کے مفاد کے لئے" س۔ "پھر وہ کیوں علیحدہ کیا گیا"؟ ج۔ "آپس میں پھوٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑھ جانے کی وجہ سے" س :۔ "کیا اس کا اس جمعیت سے مقصد کوئی سیاسی امر نہیں تھا؟" ج :۔ "نہیں" س :۔ "غالب نامہ کی کیا حقیقت ہے؟" ج :۔ "غالب نامہ کیسا؟" س :۔ "غالب پاشا گورنر حجاز کا خط جس کو محمد میاں لے کر حجاز سے گیا ہے۔ اور آپ نے اس کو غالب پاشا سے حاصل کیا ہے؟" ج :۔ "مولوی محمد میاں کو میں جانتا ہوں وہ میرا رفیق سفر تھا۔ مدینہ منورہ سے وہ مجھ سے جدا ہوا ہے۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد اس کو جدہ اور مدینہ میں تقریباً ایک ماہ ٹھہرنا پڑا تھا۔ غالب پاشا کا خط کہاں ہے جس کو آپ میری طرف منسوب کرتے ہیں؟" س :۔ "محمد میاں کے پاس۔ حضرت شیخ الہند نے پھر دریافت کیا کہ مولوی محمد میاں کہاں ہیں؟" انگریز افسر نے کہا "وہ بھاگ کر حدود افغانستان میں پہنچ گیا ہے۔ حضرت شیخ :۔ پھر آپ کو خط کا پتہ کیوں کر چلا؟" جواب دیا گیا کہ لوگوں نے دیکھا" اب حضرت نے فرمایا "آپ ہی فرمائیں کہ غالب پاشا گورنر حجاز اور میں ایک معمولی آدمی۔ میرا وہاں کیسے گذر ہو سکتا ہے۔ پھر میں ایک ناواقف شخص! نہ ترکی زبان جانتا ہوں اور نہ ترکی حکام سے کوئی ربط ضبط۔"

س :۔ "آپ نے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کی؟" ج :۔ "بیشک کی" س :۔ "کیا کی؟" ج :۔ "وہ مدینہ میں ایک دن کے لئے آئے تھے تو صبح کے وقت انھوں نے مسجد میں علماء کا مجمع کیا۔ مولوی حسین احمد صاحب اور وہاں کے مفتی مجھ کو بھی اس مجمع میں لے گئے اور اختتام مجمع پر ان دونوں وزیروں سے مجھ کو ملا دیا۔" س :۔ "انور پاشا نے آپ کو کچھ دیا؟" ج :۔ "اتنا ہوا ہے کہ مولوی حسین احمد صاحب کے مکان پر ایک شخص پانچ پانچ پونڈ لے کر انور پاشا کی طرف سے آیا تھا۔" س :۔ "پھر آپ نے ان کا کیا کیا؟" ج :۔ "مولوی حسین احمد صاحب کو دے دیئے تھے۔" س :۔ "ان کاغذات میں لکھا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ آپ سلطان ترکی، ایران اور افغانستان میں اتحاد کرانا چاہتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی حملہ ہندوستان پر کراکر ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنا اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں حضرت شیخ نے جواب دیا۔ مجھے سخت تعجب ہے کہ اتنے دن آپ کو حکومت کرتے ہوگئے۔ مگر یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی کہ میرا جیسا گمنام شخص اتنے بڑے کام کا ذمہ کیسے لے سکتا ہے۔ ان تینوں ملکوں میں سالہا سال کی جو عداوتیں ہیں کیا میں ان کو دور کرکے انھیں متحد کرسکتا ہوں اور اگر وہ متحد ہو بھی جائیں تو ان کے پاس اتنی فوجیں کہاں ہیں کہ ملکی ضرورتوں کو بھی پورا کریں اور ہندوستان پر بھی حملہ کردیں اور اچھا! اگر انھوں نے حملہ کر بھی دیا تو کیا وہ آپ کی زبردست طاقت سے جنگ کرسکیں گی! اس پر وہ انگریز بولا کہ "فرماتے تو آپ سچ ہیں۔ مگر ان کا غذات میں ایسا ہی لکھا ہے" اس کے بعد پوچھا گیا کہ "شریف حسین کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟" آپ نے فرمایا "وہ باغی ہے۔

اس موقع پر اس واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ عربوں نے انگریز کے بہکائے میں آکر ترکوں سے جو بغاوت کی تھی (اور قدرت کی طرف سے جس کی سزا وہ آج بھگت رہے ہیں اور جس نے ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی طاقت کو بکھیر کر رکھ دیا) حضرت شیخ الہند نے اس کا دردناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور خود بھی اس کا شکار ہوئے تھے اس بنا پر آپ کو عربوں سے اس قدر نفرت ہوگئی تھی کہ مالٹا سے ہندوستان آنے کے بعد آپ ایک مرتبہ مرادآباد تشریف لائے اور یہاں مسلمان رضاکاروں کی ایک جماعت کو عربی لباس میں دیکھا تو آپ نے کبیدہ خاطر ہوکر فرمایا "یہ غداروں کا لباس ہے اس کو اتار دو"

(علمائے حق حصہ اول ص ۱۷۱)

چونکہ حکومت کو تحریک کی سرگرمیوں کی نسبت تمام اطلاعات اور معلومات پہنچ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چکی تھیں اور یہ ظاہر ہے کہ جنگ کے زمانہ میں کسی باغی شخص یا گروہ کی سزا موت سے کم نہیں ہوتی اس بنا پر حضرت شیخ الہند کے تمام ساتھیوں اور دوسرے لوگوں کو اپنی جگہ پر اس کا یقین تھا کہ سب لوگوں کو پھانسی دیدی جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت شیخ بالکل مطمئن اور پُرسکون تھے اور اپنے رفقاء کی دلدہی اور دل جوئی کی برابر سعی فرماتے رہتے تھے۔ لیکن یہ دلجوئی محض بربنا ءِ شفقت بزرگانہ و مربیانہ تھی۔ ورنہ جو جان نثار آپ کے ساتھ تھے ان میں سے ایک ایک کے عزم و استقلال کا یہ عالم تھا کہ زبان حال سے کہہ رہا تھا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

تختۂ دار نظروں کے سامنے تھا۔ لیکن کیا مجال کہ دل میں ذرا بھی تشویش و اضطراب ہو ایک مقصد اعلیٰ کے لئے جان دینا تو عین حیات ہے۔ زندگی اس سے اجڑتی نہیں بن جاتی ہے۔ بجائے فانی ہونے کے لافانی ہو جاتی ہے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں!

مولانا مدنی اس وقت کے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے تاثرات و احساسات کو ان جرأت آموز الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

"ہم قسمیہ کہہ سکتے ہیں کہ باوجودیکہ ہم نئے پھنسے تھے کبھی ایسے احوال ہم پر نہ گذرے تھے۔ نوعمر تھے اپنے تمام رشتہ داروں اور بھائی بندوں سے الگ تھے۔ مگر اس کے باوجود نہ کسی چھوٹے کو نہ کسی بڑے کو کوئی اضطراب و قلق تھا اور نہ جزع و فزع۔ یہ سب تو درکنار دل میں ذرا سی گھبراہٹ بھی نہ تھی اور نہ گھر کے کسی عزیز و قریب کی یاد ستاتی تھی حالانکہ ہم سب کو یقین یا ظن غالب تھا کہ پھانسی ہوگی مولوی عزیز گل صاحب تو اپنی کوٹھری میں رہ رہ کر اپنی گردن اور گلے کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھانسی کے لئے ناپتے اور دباتے تھے تاکہ ذرا عادت ہو جائے اور پھانسی کے وقت اچانک تکلیف سخت پیش نہ آئے اور تجربہ کرتے تھے کہ دیکھوں کس قسم کی تکلیف ہوتی ہے۔ مگر سب کے دل نہایت مطمئن تھے۔ گویا کہ اپنی نانی کے گھر میں آرام کر رہے ہیں۔ کبھی یہ وہم بھی نہیں گذرتا تھا کہ کاش ہم مولانا کے ساتھ نہ ہوتے یا کاش ہم اس کام یا خیال میں شریک نہ ہوتے۔" (سفرنامہ اسیر مالٹا ص ۸۸ و ۸۹)

حضرت شیخ الہند اور آپ کے رفقا کے بیانات کے بعد سب کو بتاریخ ۱۵ ارفروری ۱۹۱۷ء مالٹا روانہ کر دیا گیا جو سیاسی اور جنگی قیدیوں کا سب سے بڑا اسارت گاہ تھا اور جہاں صرف وہ فوجی افسر یا سیاسی اسیر قید رکھے جاتے تھے جو بہت خطرناک اور اپنے خیالات میں حد درجہ مستقل اور پختہ کار سمجھے جاتے تھے۔

تین سال کے بعد اسیران مالٹا کی رہائی ہوئی اور اب تحریک نے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔

آزادی کے لئے آئینی جدوجہد شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ تحریکِ شیخ الہند کے دو رخ تھے ایک غیر آئینی اور دوسرا آئینی۔ اب تک آپ نے جو کچھ پڑھا یہ اس تحریک کا غیر آئینی رُخ تھا اس کی روئداد سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جنگِ عظیم اوّل سے قبل ملک میں جو سیاسی حالات پیدا ہو گئے تھے یہ تحریک ان کے ساتھ بالکل ہم آہنگ تھی استخلاصِ وطن کے لئے جہاں ترقی پسند ہندو اور سکھ انقلابی سرگرمیوں میں مصروف تھے اور باہر کے ملکوں سے ساز باز کر رہے تھے وہاں مسلمان بھی وقت کے اس مطالبہ سے غافل نہیں تھے بلکہ ڈاکٹر راجندر پرشاد کے بقول اُن کا قدم آگے تھا۔

جنگ عظیم کے اختتام پر جب کہ ترکی اور جرمنی کو شکست ہوئی اور انگریزوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بین الاقوامی طاقت پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی اور انقلابی سرگرمیوں کو دبانے اور فنا کرنے کے لئے ملک کی برطانوی حکومت نے ہنگامی قوانین اور بیدردی کے ساتھ ان کا استعمال کرکے ملک میں عام طور پر مایوسی اور ناکامی کے احساسات پیدا کر دئے تو اب ضروری تھا کہ ان غیر دستوری سرگرمیوں کو ترک کر کے استخلاصِ وطن کے لیئے کوئی تعمیری پروگرام بنایا جائے اس زمانہ میں کانگرس کی طرف سے ہوم رول کی تحریک شروع ہوئی جو ۱۹۱۷ء سے لے کر ۱۹۲۱ء تک چلتی رہی کانگرس کا یہی دور ہے جس میں کہ گاندھی جی ہندوستانی سیاسیات کے نقشہ میں نمایاں طور پر آئے اور عدم تشدد کی تحریک شروع کی اس تحریک میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا ابوالکلام آزاد گاندھی جی کے دست راست تھے مارچ ۱۹۱۹ء میں بمبئی میں ایک ستیگرہ سبھا قایم ہوئی اور اس کے لئے رولٹ (Rowlatt) ایکٹ کو پہلا نشانہ بنایا گیا جو لوگ ستیہ گرہ کا حلف اٹھاتے تھے ان سے وعدہ لیا جاتا تھا کہ وہ اس ایکٹ کی مخالفت کریں گے اور ان قوانین کی بھی خلاف ورزی کریں گے جو کمیٹی وقتاً فوقتاً ان کو بتائے گی اس تحریک کا ایک عام اثر یہ ہوا کہ خفیہ سوسائٹی بنا کر جو کام کئے جا رہے تھے وہ بند ہو گئے اور اب لوگ کھلم کھلا حکومت کی مخالفت کرنے لگے اس تحریک نے تمام ملک میں آگ لگا دی۔ ہڑتالیں ہوتی تھیں۔ لوگ سول نافرمانی کرتے تھے حکومت گرفتاریاں کرتی تھی۔ پولیس لاٹھیاں برساتی تھی لیکن عوام کا جوش تھا کہ کم نہ ہوتا تھا اسی سلسلہ میں امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد پنجاب میں مارشل لا نافذ کیا گیا تو اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ملک کی تمام ترقی پسند طاقتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

مسلم لیگ بھی ان واقعات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہی۔ دسمبر ۱۹۱۸ء میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا جلسہ دہلی میں کانگرس کے جلسہ کے ساتھ ہوا تو مولانا عبدالباری۔ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ مولانا احمد سعید اور مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہم علماء نے بھی شرکت کی اور نمایاں حصہ لیا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری صدر استقبالیہ تھے۔ گورنمنٹ نے ان کا خطبہ ضبط کر لیا تھا پُرامن اور آئینی سیاست کے پلیٹ فارم پر علماء کا یہ پہلا اجتماع تھا۔

جمعیۃ علماء کا قیام | ۱۹۱۹ء میں خلافت تحریک شروع ہوئی اور اگرچہ یہ مسلمانوں کی خالص مذہبی تحریک تھی لیکن چونکہ مسلمان ملک کی جدوجہد آزادی میں علماء کے زیر قیادت۔ اپنے برادران وطن کے دوش بدوش تھے اس بنا پر ہندوؤں نے ادائے حق کے طور پر خلافت تحریک میں مسلمانوں کا پورا ساتھ دیا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ پورا ملک فرقہ وارانہ اتحاد و یک جہتی کی خوشگوار فضا سے ہو گیا اسی سال علماء نے اپنی ایک جمعیت الگ قائم کی اس کا پہلا اجلاس دسمبر ۱۹۱۹ء میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی زیر صدارت امرتسر میں ہوا۔ دوسرا اجلاس ۱۹ ار ۲۰ ر نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں ہوا۔ اب حضرت شیخ الہند ہندوستان آچکے تھے اس لئے آپ ہی صدر منتخب ہوئے یہ اجلاس نہایت عظیم الشان تھا یہ شاید پہلا موقعہ تھا کہ ہندوستان کے اطراف واکناف سے تمام علمائے دیوبند۔ علمائے ندوہ۔ علمائے فرنگی محل۔ مقلد۔ غیر مقلد بدعتی اور وہابی سب اور اُن کے ساتھ انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے نمایاں حضرات۔ نمایاں ارباب فکر واصحاب قلم ایک دوسرے کے ساتھ سر اور دل جوڑ کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تھے! اسی جلسہ میں پانچسو علمائے کرام کے دستخطوں سے ترک موالات کا متفقہ فتویٰ شائع ہوا یہ فتویٰ خود حضرت شیخ الہند کا لکھا ہوا تھا اور دوسرے علماء نے اس پر تصدیقی دستخط کئے تھے فتویٰ میں جن امور کا مطالبہ کیا گیا تھا وہ یہ ہیں۔

۱۔ سرکاری اعزازوں اور خطابات کو واپس کیا جائے۔ ۲۔ ملک کی جدید کونسلوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریک ہونے سے انکار۔ ۳۔ صرف اپنے ملک کی بنی ہوئی چیزوں کا استعمال اور غیر ملکی مصنوعات کا بائیکاٹ۔ ۴۔ سرکاری سکولوں اور کالجوں میں بچوں کو تعلیم نہ دی جائے۔ ۵۔ جن امور میں فساد یا نقضِ امن کا اندیشہ ہو ان سے بالکل اجتناب۔ اس فتویٰ کے شروع میں حضرت شیخ الہند نے جو چند تعارفی سطریں لکھی ہیں ان میں سے یہ عبارت سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہے:-

"علمائے ہند کی تعداد کثیر اور ہندو ماہرینِ سیاست کا بڑا طبقہ اس جدوجہد میں ہے کہ اپنے جائز حقوق اور واجبی مطالبات کو پامال ہونے سے بچائیں کامیابی تو ہر وقت خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن جو فرض شرعی۔ قومی اور وطنی حیثیت سے کسی شخص پر عائد ہوتا ہے تو اس کے ادا کرنے میں ذرہ بھر تاخیر کرنا ایک خطرناک جرم ہے" (فتویٰ ترک موالات)

علاوہ بریں آپ کی آخری تحریر جو اس جلسہ میں پڑھ کر سنائی گئی اس کے یہ الفاظ بھی خاص طور پر لحاظ کے قابل ہیں۔

"میں دونوں قوموں کے اتحاد و اتفاق کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کے لئے میرے دل میں بہت قدر ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورت حالات اگر اس کے مخالف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دیگی ادھر دفتری حکومت کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائیگا اور اسلامی اقتدار کا اگر کوئی دھندلا سا نقشہ باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی ہماری بداعمالیوں سے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا۔ اس لئے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں ملکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر تینوں عنصر اگر صلح و آشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقتور ہو ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر و استبداد سے شکست کر سکے گی"

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُردو تذکروں کی تنقیدی اہمیت

(از جناب ڈاکٹر عبادت صاحب بریلوی ایم۔ اے پی۔ ایچ ڈی لکچرر دہلی کالج)

اردو میں تذکرہ نویسی کا رواج فارسی کے اثر سے ہوا۔ چنانچہ اردو شاعروں کے تذکرے بھی بالکل اسی طرز میں لکھے گئے جس میں فارسی شاعروں کے تذکرے لکھے جاتے رہے تھے۔ کریم الدین نے "طبقات الشعراء" میں لکھا ہے "تذکرہ اور طبقات چونکہ شاخیں فن تاریخ کی ہیں۔ خصوصاً زبان عرب اور فارسی میں اس قسم کی بہت سی تصنیف ہوئی ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی زبان اردو میں بھی اس طرز تصنیف کا استعمال کیا ہے[1]۔ اس میں شک نہیں کہ اردو کے تذکرہ نویسوں نے بھی اس سے کچھ زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ انداز قریب قریب سب کے لکھنے کا یہی ہے کہ وہ شاعر کی زندگی کے متعلق دو ایک سطریں لکھتے ہیں۔ جی چاہتا ہے تو کلام پر معمولی سی رائے دے دیتے ہیں۔ اکثر لکھنے والوں نے تو اردو زبان کو بھی اس کام کے لئے استعمال نہیں کیا ہے بلکہ اردو شاعروں کے تذکرے انھوں نے فارسی میں لکھے ہیں۔

بات یہ ہے کہ ان لکھنے والوں کے سامنے سوائے فارسی تذکروں کے اور کوئی نمونہ نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ ان کے نزدیک ان تذکروں کی حیثیت بڑی حد تک نجی اور ذاتی تھی۔ ذرائع نشر و اشاعت موجود نہیں تھے اور شعر و شاعری کا چرچا عام تھا

---

[1] کریم الدین طبقات الشعراء : ص ۱ (دیباچہ)

© rasailojaraid.com